# ۲۳۔ حضرت شیخ عبدالحق ردولوی رحمۃ اللہ علیہ

مولد: ردولی شریف

تاریخ وفات: ۱۵؍جمادی الاخری ۸۳۶ھ یا ۸۳۷ھ مدفن: ردولی، ضلع بارہ بنکی

حضرت شیخ عبدالحق ردولوی رحمۃ اللہ علیہ، آپ خلیفہ ہیں حضرت جلال الدین کبیر رحمۃ اللہ علیہ کے۔ جیسا کئی دفعہ آپ کا ذکر آیا ہے کہ سب سے بڑی خصوصیت آپ کی یہ تھی کہ سالہا سال استغراق میں رہے، نہ دن کا پتہ، نہ رات کا، نہ ظہر کا، نہ عصر کا۔ نماز کے لئے حق حق کی آواز دے کر ان کو گویا نیچے اتارا جاتا تھا۔ اللہ کا فضل ہے کہ ہم نے ایسے درجنوں افراد کو استغراق میں دیکھا۔

## شخوصِ بصر

ہمارے والد صاحب نوراللہ مرقدہ کے پاس ہم لوگ ہوتے تھے تو اکثر وبیشتر گئے، تو آواز دے رہے ہیں، رشتہ دار آواز دے رہے ہیں، تو ان کی آنکھیں ایسی ہوتی تھیں کھلی کی کھلی۔ ہم تو تھوڑی دیر گردن بھی اتنی اونچی ایسے نہیں کر سکتے، اور جو پلک ہے ہماری، وہ زیادہ دیر نہیں ٹھہرا سکتے۔ ہم تو ایک منٹ میں کوئی دس دفعہ پلک جھپکتے ہوں گے، آنکھ کھلتی ہے، بند ہوتی ہے۔ مگر ان کی جب اس طرح وہ اوپر کچھ دیکھ رہے ہوتے تھے، تو آنکھ کھلی ہوئی ہے، پلک ہی نہیں جھپکتے تھے۔

اور ہر انسان پر یہ حال آئے گا مرتے وقت۔ دنیا میں اس وقت تو انسان غفلت میں ہے، تو اس لئے ہماری آنکھ بند ہوتی ہے، کھلتی ہے، کوئی فکر نہیں۔ لیکن آپ نے دیکھا ہوگا کہ کبھی کوئی انسان پریشانی میں ہو، دشمن کی طرف سے، کسی کی طرف سے کوئی خوف ہو، تو پوری آنکھ ایسی کھلی ہوتی ہے اور اس کی کوشش ہوتی ہے کہ کھلی ہی رہے، تو مرتے وقت جو تَشْخَصُ فِیْہِ

الأبْـصَـار، شخوصِ بصراس کو کہتے ہیں، مرتے وقت کھلی رہ جاتی ہے، سانس چل رہا ہے۔تو اب تک تو اوروں کی طرح سے اس کی آنکھ کھلتی تھی، بند ہوتی تھی، مگر وہ مرحلہ جب آجاتا ہے تو کسی کا چند منٹ کے لئے، کسی کا چند گھنٹے کے لئے، کسی کا کئی روز کے لئے یہ حال ہوتا ہے۔بس ایسی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں، سانس چل رہا ہے، کیوں کہ اوپر کا عالم منکشف ہو جاتا ہے۔تو والد صاحب کا گھنٹوں یہ حال ہوتا کہ گردن اوپر کو ہے، آنکھیں پوری کھلی ہوئی ہیں۔تو پھر ہمارے بعض رشتہ دار والد صاحب کو آواز دیتے ایک دو دفعہ، پھر اس کے بعد بھی جب جواب نہ ملتا، تو کہتے کہ چلو بھئی، ابھی تو کوئی گنجائش نہیں، ابھی تو یہ اس عالم میں نہیں ہیں۔

جیسے والد صاحب کی اسی طرح آنکھ کھلی ہوئی ہے، پتہ نہیں کیا دیکھ رہے ہوتے تھے، تو ہو بہو حضرت کے جو پیر و مرشد تھے مکہ معظّمہ میں، تو ان کو دیکھا، وہ ہجرت کر کے چلے گئے تھے مکہ معظّمہ، رباط میں، رباط آغا الماس میں قیام تھا۔یہ وہی رباط ہے جس میں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قیام رہا تھا، اسی میں قیام ان کا بھی رہا۔

ان کو ہم نے دیکھا کہ سالہا سال ان کو ہجرت کئے ہو گئے تھے، وہ بہار یا بنگال کے تھے اور کوئی رشتہ داری بھی نہیں، مگر ہم نے دیکھا کہ ادھر والد صاحب کو جس حال میں ہم نے دیکھا، جس شکل میں ان کو دیکھا، اسی شکل میں، اسی حال میں ان کے پیر صاحب کو اُدھر مکہ معظّمہ میں دیکھا۔اُن کو بھی نہ دن کا پتہ، نہ رات کا، حالانکہ بہت بڑے علامہ تھے۔ہم نے ان کو بھی دیکھا گھنٹوں اس طرح مراقب گردن جھکائے رہتے تھے۔

## یذکر اللّٰہ

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے پیچھے ہم لوگ باب جبرئیل کے اندر اقدام عالیہ کی سیدھ میں بیٹھے رہتے تھے۔حضرت کے آس پاس، الگ الگ، کوئی یہاں، کوئی وہاں، کوئی اپنا قرآن پڑھ رہا ہے، کوئی تسبیح پڑھ رہا ہے، کوئی درود شریف پڑھ رہا ہے، کوئی مراقبہ میں ہے، کوئی ذکر میں،

تو ایک صاحب آہستہ آہستہ، اونچی آواز سے تو نہیں، ہلکی آواز سے لا الہ الا اللہ کا ذکر کر رہے ہیں۔

اتنے میں کوئی صاحب وہاں سے گزرے، کسی عرب نے گزرتے ہوئے ان کو دیکھ کر اشارہ کیا کہ یہ کیا کر رہا ہے؟ گردن ہلاتے ہوئے دیکھا۔ تو میں نے کہہ دیا، حالانکہ مجھے تو انہوں نے پوچھا نہیں تھا، کیوں کہ مجھ سے نہیں رہا گیا۔

میں نے کہا **یذکر اللہ**، کہ وہ ذکر کر رہا ہے۔ پھر اس نے دیکھا کہ دو تین اور بھی گردن جھکائے بیٹھے ہیں۔ اس نے کہا کہ یہ؟ تو میں نے کہا کہ **ھو فی المراقبۃ**۔ میری زبان سے اتفاق سے نکل گیا۔

ایسے لوگوں کے سامنے یہ صوفیاء کی اصطلاحات کا ذکر بھی نہیں کرنا چاہئے، اس کے نام سے ان کو نفرت، یہ مراقبہ یہ کشف، یہ حال۔ لیکن جلدی میں میں نے کہہ دیا، تو ذرا سی دیر وہ دیکھتے رہے، دو چار کو دیکھا، حضرت کو دیکھا، پھر مجھ سے پوچھتا ہے کہ **انت منھم**؟ میں نے کہا، ہاں۔ پھر وہ شخص بیٹھ گیا۔

## مراقبہ کے معنی

پھر میں نے اس سے کہا کہ دیکھو، یہ جو تم نے پوچھا کہ کیا کر رہا ہے، یہ مراقبہ میں ہے۔ اور مراقبہ کے معنی، آپ نے دیکھا فلاں ہوٹل کے دروازہ پر فلاں جگہ مراقب، پہرے دار کھڑا ہوتا ہے، مراقب، تو میں نے کہا اسی سے یہ مراقبہ ہے۔

اُس مراقب کا کام کیا ہوتا ہے کہ کسی کو اندر نہ جانے دیں بلا اجازت، جو مجاز نہ ہو وہ نہیں جا سکتا۔ تو میں نے کہا اس طرح یہ اپنے قلب کا مراقبہ کر رہا ہے کہ اس میں کوئی غیر داخل نہ ہونے پائے اللہ کے سوا۔ دل میں جس نے اس کو بسا رکھا ہے، اللہ تعالیٰ کی یاد، اس کی محبت، تو اس کی یاد ہی میں دل کو لگائے رکھنا چاہتا ہے اور غیروں سے اس کی حفاظت مقصود ہے اور اس کا نام ہے

مراقبہ۔

## حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کا تعارف

پھر اس کے بعد وہ حضرت شیخ کی طرف اشارہ کر کے پوچھنے لگے کہ اور وہ؟ تو میں نے ان سے کہا کہ تم نے تو ایک سلسلہ شروع کر دیا۔ میں نے بہت سوچا کہ اب اس کو کہاں سے شروع کراؤں؟ الف، با کوئی جانتا ہو، تو اس کو تو وہاں سے شروع کرا سکتے ہیں۔ یہ بیچارہ کچھ بھی نہیں جانتا۔ تو میں نے اس سے کہا کہ دیکھو، یہاں کے امام کون ہیں، آپ کو معلوم ہے؟ اس وقت دو امام تھے۔ شیخ عبدالعزیز بن صالح، ساٹھ برس سے زیادہ وہ امام رہے، اور جو دوسرے نمبر کے امام تھے، وہ شیخ عبدالمجید۔ اس نے دونوں کا نام لیا۔

میں نے کہا کہ یہ شیخ عبدالمجید جس مدرسہ کے پڑھے ہوئے ہیں، یہ مدرسہ علوم شرعیہ جو باب النساء کے سامنے ہے، یہ (حضرت شیخ) اس مدرسہ کے لئے مالیات کی فراہمی کرنے والوں اور سرپرستوں میں سے ہیں۔ ہندوستان سے ارسالِ زر اور تمویل کے ذریعہ مساعدت فرماتے ہیں۔ جب یہ آپ کے شیخ عبدالمجید اس میں پڑھ رہے ہوں گے اور ان کے جیسے کتنے یہاں بڑے بڑے مناصب پر فائز ہوں گے، جیسا کہ یہ حرم نبوی کے مصلے پر امام ہیں، یہاں کے پڑھے ہوئے ہیں، تو یہ حضرت شیخ اس مدرسہ کے یہ ذمہ داروں میں سے تھے۔ کہا کہ اچھا اچھا۔ میں نے کہا، یہ مکہ کے امام کو جانتے ہیں آپ؟ کہا، ہاں۔

اس وقت دو ہی تھے امام، تیسرے تھے شیخ خیاط، وہ تو بہت معذور ہو چکے تھے، اور خطبہ امامت وغیرہ انجام نہیں دے سکتے تھے، رسمی طور پر شیخ خیاط وہ بھی امام تھے، اور نمبر دو پر تھے شیخ خلیفی، جو بہت روتے تھے عام دنوں میں بھی، مغرب میں کوئی سورت پڑھنی شروع کی قُلْ یَـا اَیُّھَـا الْکَافِرُوْن، اس پر روتے رہتے، ایک آیت کو بار بار پڑھتے، بڑے رونے دھونے والے آدمی شیخ خلیفی، تو وہ کہنے لگے کہ ہاں شیخ خلیفی امام ہیں اور شیخ محمد بن عبداللہ السبیّل۔ تو میں نے کہا کہ

کبھی آپ کا مکہ مکرمہ جانا ہو، تو ان دونوں سے، شیخ خلیفی سے اور شیخ محمد بن عبداللہ السبیّل سے ملاقات کر کے ان کے مقام اور مرتبہ کو پوچھ لیجئے، کیوں کہ رابطہ اور حرم کے چوٹی کے ذمہ دار حضرت کی خدمت میں بار بار حاضر ہوتے رہے ہیں۔

آپ حیران ہوں گے کہ ابھی تو سلفیت، سلفیت کا شور ہے دنیا میں۔ مگر ایک وقت وہ بھی تھا کہ مسجدِ حرام کے ائمہ کرام قطب الاقطاب حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی زیارت و ملاقات کے لئے مدرسہ صولتیہ کے دیوان خانہ میں تشریف لاتے تھے۔ ریاسۃ الافتاء والوعظ والارشاد بالحرم المکی کے رئیس شیخ طٰہٰ فجر کی نماز کے بعد مدرسہ صولتیہ کے دیوان خانہ میں تشریف لائے اور زیارت و ملاقات کے بعد ذکر بالجہر کی مجلس ہوئی۔ اس میں بھی آپ مجلسِ ذکر کے اختتام تک شریک رہے۔

میں نے پوچھا کہ یہ کلیات اسلامیہ، اور کلیات شریعہ میں سب سے بڑا جامعہ عرب میں کونسا ہے؟ تو اس نے کہا، ریاض میں۔ میں نے کہا نہیں، ریاض میں تو سب سے بڑا نہیں۔ پھر میں نے کہا کہ کلیۃ الازہر۔ کہا، ہاں ازہر! تو میں نے کہا کہ جو وہاں کے رئیس ہیں، دکتور عبدالحلیم محمود ابھی گزشتہ دنوں یہاں آئے تھے۔ تو وہ وہاں ایک التیسیر ہوٹل تھا، یہ باب مجیدی کے دائیں طرف، وہاں سرکاری مہمان رہا کرتے تھے، بڑا ہوٹل سمجھا جاتا تھا۔ میں نے کہا کہ اس میں ان کا قیام رہا، تو ہوٹل پہنچ کر سب سے پہلے مسجدِ نبوی انہوں نے حاضری دی اور نماز اور صلوۃ وسلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرنے کے بعد وہ ان کی، حضرت شیخ زکریا کی خدمت میں سلام کے لئے حاضر ہوئے۔ تو کہا، اچھا؟ یہ اتنے معروف انسان ہیں۔

میں نے کہا نہیں، اور سنئے۔ اس وقت میں یہ جو جامعہ اسلامیہ تھا، بہت چھوٹا تھا، چھ سو کل طلبہ ہوتے تھے اس میں، جامعہ اسلامیہ میں، جس طرح ہمارے دار العلوم ہوتے ہیں۔ تو میں نے ان سے پوچھا کہ یہاں صحیح بخاری کی کسی نے شرح لکھی ہے، تو وہ سوچ کر کہنے لگے کہ میرے علم میں تو نہیں ہے۔ تو میں نے کہا کہ صحیح بخاری کی انہوں نے شرح کی ہے اور اتنی ضخیم جلدوں میں۔ پھر

میں نے گنوائی، حضرت کی یہ ایک، دو۔ کہا، اچھا، هُوَ مُحَدِّث؟ میں نے کہا، ہاں۔ بعض دفعہ ایسی مبارک جگہ پر بیٹھ کر ایسی جھک کرنی پڑتی تھی۔

## پرانے طرز کا کرتہ پہنو

اس زمانہ میں ثوب، عربی کرتہ بھی ہم نہیں پہنتے تھے۔ پیر صاحب حضرت مولانا طلحہ صاحب مد ظلہ ابھی تشریف لائے، تو ہمارے گھر والوں سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ یہ ایک جوڑے کے میں پیسے دوں اور پرانے طرز پر اس کو سلوا کر جاؤں اور میرے سامنے وہ پہن کر آئیں، میں ان کو دیکھوں سہارنپور میں جس طرح کا کرتہ اور پائجامہ پہنتے تھے، وہاں کے طرز اور اسٹائل کا۔

میں نے ان سے عرض کیا کہ یہ بھی حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ ہی کا دیا ہوا میں پہنتا ہوں، یہ عرب والا ثوب بھی حضرت کا عطیہ تھا۔

ہوا یہ تھا کہ ایک مرتبہ میں حج میں حضرت کے ساتھ تھا۔ تو وہاں جب مکہ معظّمہ سے احرام باندھ کر حج کے لئے، منیٰ کے لئے روانہ ہوئے، تو ہم تو حضرت کو لے کر اٹھا کر ساتھ چل دیئے۔ پہلا حج تھا، کچھ پتہ نہیں، کیا لینا ہے، کیا کرنا ہے، کوئی چیز ساتھ نہیں۔ صرف پہنا ہوا احرام اور بس۔ اس وقت تو پاسپورٹ اور کسی کاغذات کی بھی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ تو جب منیٰ، پھر عرفات، پھر مزدلفہ، پھر منیٰ واپسی اور طواف زیارت پر جب احرام کھل گیا، تو سب نے تو کپڑے پہن لئے اور میں حضرت کی خدمت میں حضرت کو اٹھانے کے لئے پہنچا، تو فرمایا تو ابھی احرام میں؟

میں نے کہا حضرت، میرے کپڑے صولتیہ میں رہ گئے، مجھے لانا یاد نہیں رہا۔ حضرت نے خدام سے فرمایا یہاں بھی بازار میں کپڑے تو ملتے ہوں گے؟ تو کسی نے کہا کہ ہاں حضرت، ملتے ہیں۔ ریال حضرت نے دیئے کہ جاؤ، یہاں سے خرید لو۔ تو وہ اس طرح حضرت کی دی ہوئی ثوب ہے، حضرت کے پیسوں سے خریدی ہوئی، کئی برس تک میرے پاس تھی۔ تو میں نے کہا کہ

یہ بھی حضرت ہی کا دیا ہوا ہے۔

## ہم چوں من دیگرے نیست

میں نے اس عرب سے، وہ جو اعتراض کرر ہا تھا، اس سے کہا کہ اور آگے میں آپ کو سناؤں؟ یہاں کے میں نے دونوں حرم کے اماموں کا حال سنایا، مکہ مکرمہ کے دونوں اماموں کا سنایا۔ میں نے کہا اوپر تک سن لیجئے۔ میں نے کہا کہ یہ جو ملک عبدالعزیز ہیں، میں نے کہا کہ ان کو تو آپ جانتے ہیں، لیکن ایک قاضی کا نام آپ کو شاید ہی معلوم ہوگا، قاضی بلیہد اس کا نام یا قاضی ابن البلیہد۔ تو یہ یہاں کے جو قضاۃ ہیں، ان سے معلوم کریں کہ یہاں کے قضاۃ میں سے اس نام کا کوئی آدمی رہا ہے کہ نہیں؟

اور یہ تاریخی واقعہ ان کے یہاں بھی لکھا ہوا ہوگا کہ اس زمانہ میں ملک عبدالعزیز نئے نئے حکمراں ہوئے اور مدینہ منورہ آئے، تو حضرت سہارنپوری مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ مدینہ طیبہ میں تھے، حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ بھی وہاں ساتھ تھے، تو اس زمانہ میں بحث چلی کہ یہ جو ہم درود شریف پڑھتے ہیں، اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا، تو کہتے ہیں یہ بدعت ہے۔ اسی لئے آپ دعائیں سنیں گے، تو اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ یا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍعَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ ۔

ایک مرتبہ جب اس کا شہرہ ہوگیا ہے، دیکھئے شرارت اور برائی کتنی پھیلتی ہے کہ یہ ہر ایک کا اپنا ذاتی فعل ہے، کوئی اپنی دعا میں اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا کہتا ہے، اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّد کہتا ہے، تو دونوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ کیا ضرورت ایک ایک نکتہ کو اٹھانے کی؟ مگر علم کا اظہار نہیں ہوتا جب تک کسی کو چھیڑیں نہیں، فتنہ نہ پھیلائیں۔ تو یہ بحث اتنی لمبی ہوگئی سَیِّدُنَا کی کہ بادشاہ تک پہنچی۔

پھر حضرت سہارنپوری قدس سرہ کو اور قاضی ابن بلیہد کو دونوں کو ملک عبدالعزیز نے اپنے

پاس بلایا، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ بھی ساتھ۔ اور پھر مسئلہ پوچھا، تو حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث سنائی، دوسری سنائی کہ حدیث شفاعت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَم وَلا فَخْر کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اَنا سَیِّدُ وُلْدِ آدَم، میں تمام بنی نوع انسان کا سید اور سردار ہوں، سید الاولین والآخرین ہوں، لیکن ولا فَخْر، اس پر میں کوئی فخر نہیں کرتا۔ تو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تمام بنی نوع انسان کے آپ سَیِّد ہیں، تو ہم اگر اپنی دعا میں اسی کا اظہار کریں کہ ہمارے سردار ہیں وہ، ہمیں اپنے ماتحتوں میں شمار فرماتے ہیں اور ہم انہیں اپنے آقا اور سید مانتے ہیں۔

اس طرح کی جب کئی احادیث ملک کی سامنے آئیں، تو بادشاہ نے کہا کہ قاضی ابن بلیہد کی طرف دیکھا سوالیہ نگاہوں سے کہ اس کا کیا جواب؟

میں نے کہا کہ ان کی وہاں سے جان پہچان ہے، آپ کے چھوٹوں بڑوں سب سے پرانی جان پہچان ہے۔ اور میں نے کہا کہ اب یہ تصوف پر آپ لوگوں کو اشکال ہے۔ ہمارے دلوں میں تو ہر وقت دنیا بھری ہوئی ہے، ہر وقت قسم قسم کے تفکرات اور خیالات اور کیا نہ کیا اس میں داخل ہوتا رہتا ہے۔ تو یہ شخص مراقبہ میں ہے کہ اس کی کوشش کرتا ہے کہ میرے دل میں سوائے اللہ کی یاد کے کوئی دوسرا تصور آنے نہ پائے۔

یہی حضرت شیخ عبدالحق ردولوی رحمۃ اللہ علیہ کیا کرتے تھے۔ ساری عمر اس کو کتنا پکایا ہوگا، بسایا ہوگا کہ وہ اتنا بس گیا کہ اس کے سوا دوسری چیز کا خیال ڈالنا مشکل ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو بھی اپنی محبت سے معمور کریں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دیں، اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق ہمیں نصیب فرمائیں، اپنی ذات پاک سے صحیح تعلق نصیب فرمائیں۔

شیخ عبدالحق ردولوی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر ہو رہا تھا۔ ان کا استغراق، ہر وقت ادھر او پر لو لگی رہتی تھی، نیچے آتے ہی نہیں تھے، سالہا سال۔ تو اسی کے ذیل میں وہاں مسجد نبوی کا قصہ میں بیان کر رہا تھا، مگر اس کو پورا کریں تو حضرت شیخ ردولوی کے حالات رہ جاتے ہیں۔ ان کو پھر پورا کریں گے۔

لمبی گھنٹوں گفتگو اس طرح رہا کرتی تھی وہاں کے لوگوں کے ساتھ، جھک کرنی پڑتی تھی۔

## شفاف آئینہ

حضرت شیخ عبدالحق ردولوی رحمۃ اللہ علیہ جب دہلی پڑھنے کے لئے گئے، تو بالکل ابتدائی تعلیم میں نحو وصرف کی کتابیں جب شروع کی گئیں اور مثال آئی فعل اور فاعل اور مفعول کی، **ضرب زید عمرواً**، تو یہاں اٹک گئے۔ کہنے لگے کہ زید نے عمرو کو مارا کیوں؟ تو استاذ نے کہا کہ نہیں، یہ تو مارا نہیں، مثال ہے۔ کہا، اچھا نہیں مارا؟ پھر تو یہ جھوٹ ہے، جھوٹی کہانی، جس کی بسم اللہ ہی جھوٹ سے ہو، اس کو کیسے پڑھیں؟ استاذ سمجھ گئے۔ انہوں نے ان کے گھر والوں سے کہا کہ یہ تو بالکل شفاف آئینہ ہے۔

ہر بچہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ اس کا دل بالکل آئینہ، صاف شفاف، نہ اس میں جھوٹ، نہ بناوٹ، نہ کوئی چیز۔ یہ تو ماحول اس کو بگاڑتا ہے۔ وہ دوسروں کو دیکھتا ہے، اسی سے وہ ہر چیز سیکھتا ہے، جھوٹ بولنا بھی اسی سے سیکھے گا، ہر برائی اس کو دی جاتی ہے۔ ورنہ **كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ**، بالکل سادہ فطرت پر اللہ تبارک وتعالیٰ پیدا فرماتے ہیں، **فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ اَوْ يُنَصِّرَانِهِ اَوْ يُمَجِّسَانِهِ**، کہتے ہیں والدین اور ماحول اور گھر، جو اس بچے کو ماحول ملے گا، تو وہ یہودی، نصرانی، مجوسی ماحول ہی اس کو بناتا ہے۔

شیخ عبدالحق ردولوی رحمۃ اللہ علیہ بالکل سادہ فطرت، تو اٹک گئے **ضرب زید عمرو** پر۔ تو استاذ نے گھر والوں سے کہا کہ یہ تو دوسرے کام کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو چنا ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پڑھائی ایک طرف موقوف رہ گئی اور اس کے بعد جو اوپر لو لگی ہے اور وہ لو لگانے والے، وہ بھی کیسے۔

لکھا ہے کہ جب بیعت کے لئے یہ پانی پت حضرت جلال الدین کبیر الاولیاء کے پاس سفر کر کے گئے ہیں، تو یہ بھی گھر کے بہت مشہور خاندان سے تھے اور گویا صاحبزادہ کے طور پر مشہور تھے

کہ ان کے جو دادا تھے حضرت داؤد، حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کی نسبت تھی اور تعلق تھا۔

## دہلی کے دو نصیر الدین

وہاں دہلی میں دو نصیر الدین نامی ہستیاں بہت معروف اور مشہور رہی ہیں۔ایک تو جنگِ آزادی کے وقت کے بہت بڑے مولانا نصیر الدین، جنہوں نے زبردست کارنامے انجام دئے مسلمانوں کے خاطر، قربانیاں دیں۔اور یہ اکابر مشائخ میں سے حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔اوران کی بھی داستان بڑی عجیب ہے۔

ان کے دادا حضرت داؤد جو حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے نسبت رکھتے تھے، یہ بلخ سے ہجرت کر کے آئے تھے۔

یہ جو اس وقت ہم حالات سنتے ہیں اور پڑھتے ہیں، یہ تو ان حالات کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں، لاشئی ہیں۔ ہمارے تو ذراسی بات پر دل دہلنے لگ جاتے ہیں، کانپ جاتے ہیں۔ ہم لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات سے تعلق توڑ بیٹھے ہیں، اشکال ہونے لگتا ہے اپنے عقیدے کے بارے میں، مذہب کے بارے میں، ایمان کے بارے میں، اسلام کے بارے میں کہ اگر یہ سچا ہے، تو کیوں اتنی ذلت؟ مگر تاریخ دیکھیں گے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اور اہل حق کے ساتھ کیا کیا بیتی ہے۔اس دن وہ اصحابِ اخدود کا قصہ آپ کو سنایا کہ تاریخی بچہ، تاریخی خاتون کا سورہ بروج میں ذکر ہے۔

ان کے دادا بلخ میں تھے اور وہاں جب تاتاریوں کا فتنہ آیا ہے، یہ دنیا دارالاسباب ہے، کچھ نہ کچھ کوئی بہانہ ہو جاتا ہے، تو ایک معمولی بہانہ ہو گیا، سلطان خوارزم شاہ اپنے زمانہ کا، روئے زمین کا، یوں کہا جائے کہ سب سے بڑا بادشاہ تو کوئی غلط نہیں ہوگا، اس کی پورے ایشیا اور عرب سے لے کر پورے علاقہ پر اس کی حکومت اور زبردست، مستحکم، مضبوط حکومت تھی۔

اس سے شکایت کی گئی علاقہ قراقورم کی۔ ابھی جو شاہراہِ ریشم بنائی گئی ہے، پاکستان کو چین کے ساتھ ملانے والی قراقورم، تو شاید اسی علاقہ میں قراقورم کے متعلق ان سے شکایت کی گئی کہ قافلہ آرہا تھا تاتاری قوم کا، تاجروں کا، وہ اپنے متعلق بتاتے ہیں کہ ان کو روکا گیا کہ ہمیں شبہ ہے کہ یہ جاسوسی کے لئے آئے ہیں۔

## تاتاری فتنہ

اس کی حقیقت کیا تھی، اللہ ہی جانے۔ مگر بادشاہ نے حالات سن کر تاتاری تاجروں کے بارے میں فیصلہ دے دیا کہ ان کو قتل کر دیا جائے۔ تاتاریوں کا بادشاہ تھا چنگیز خان، جس نے بغداد کو تہ و بالا کیا ہے، اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی، ہلاکو اس کا دادا۔ تو چنگیز خان بادشاہ کو، تاتاریوں کے بادشاہ کو جب اس کی اطلاع ہوئی کہ ہمارا تاجروں کا قافلہ قتل کر دیا گیا، تو اس نے سفارت بھیجی۔

اب دنیا کے کسی مذہب، کسی قوم، کسی حکومت کے نزدیک سفیر کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ مگر اللہ تبارک وتعالیٰ کو کیا منظور تھا کہ جب یہ سفارت پہنچی ہے سلطان خوارزم شاہ کے پاس، تو اس نے اس سفیر کو بھی قتل کیا اور ایک آدھ دو کو ذلیل کر کے ان کی ڈاڑھیاں منڈوا کر کے اطلاع دینے کے لئے واپس بھیجا۔

لکھا ہے کہ چنگیز خان تو سلطان خوارزم شاہ کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں تھا، لاشئی تھا، ایک جنگلی قوم، جنگل کا ایک گویا بادشاہ۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ ہماری، ہماری قوم کی اس طرح ذلت، تو جیسے ہم لوگ کسی اہم کام کے لئے استخارہ کرتے ہیں، تو اس استخارہ کے خاطر پہاڑ پر چلا گیا تخلیہ میں اور پہاڑ پر جا کر اس نے اپنے اہل حکومت کو بتا دیا کہ میں اللہ سے، وہ تو بُدھسٹ رہے ہوں گے یا اس سے بھی آگے، جنگلی قوم تھی، نہ معلوم ان کا کیا مذہب رہا ہوگا؟ تو اس نے کہا کہ میں میرے مالک سے اور معبود سے مشورہ لیتا ہوں کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔

لکھا ہے کہ کئی گھنٹے یا دن رات ایک پیر پر کھڑا ہو کر وہ استغاثہ اور فریاد کرتا رہا کہ اے مسلمانوں کے خدا! اگر تو اس دنیا کو سچ مچ چلاتا ہے، تو ان کا بھی خدا ہے، تو ساری کائنات کا خدا ہے اوران سب کو چلانے والا ہے، جس طرح ہمارے آدمیوں کو قتل کیا گیا، ذلیل کیا گیا، تو ہم اس کا انتقام چاہتے ہیں۔

لکھا ہے کہ غیب سے آواز آئی اور جواب ملا کہ جاؤ، تم انتقام لے سکتے ہو۔ کیا انتقام؟ کہتے ہیں کہ یہ بلخ، بخارا، سمرقند، کاشغر، ختن، یہ پورا علاقہ جو مرکز تھا خوارزم شاہ کا اور یہ موجودہ سارا افغانستان، یہ سب اس زمانہ میں خراسان کہا جاتا تھا اور پھر یہاں سے ہوتے ہوئے پورا ایران، پورا عراق، اوراس کا مقصود جنگ نہیں تھا، نہ کوئی مال مقصود تھا، بس ختم کرنا مقصود تھا، انسانیت کو ختم کرنا مقصود تھا۔

کہتے ہیں کہ مجال نہیں تھی کہ کوئی زندہ جانور یا انسان یا بچہ کوئی زندہ بچ کر اس کے ہاتھ سے نکل جائے۔ ہزاروں میل کا علاقہ انسانوں سے بالکل صاف کر دیا۔ یہ یوروپین مؤرخین لکھتے ہیں کہ وہ اتنا زبردست تاتاریوں کا فتنہ تھا کہ اس فتنے کا رعب اور خوف اوراس کی دھاک سویڈن تک پہنچی ہوئی تھی۔

وہاں لوگ اگر گھر میں سے کوئی مچھلی پکڑنے کے لئے نکلتا، تو گھر والے اس کو پکڑ لیتے تھے کہ تاتاری آجائیں گے کہ یہاں تک اس کی ہیبت پہنچ چکی تھی کہ وہ جہاں کہیں بھی جاتے ہیں، انسانوں کا صفایا کر دیتے ہیں۔ اتنی تلخ کڑوی داستان ہے کہ صرف بغداد میں اور اس کے اطراف کے علاقہ میں دوملین انسانوں کو قتل کیا گیا۔ اور کوئی مرد، عورت، بوڑھا، بچہ ان کے قتل سے بچ نہیں سکتا تھا۔

اور حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ فلاں مؤرخ نے لکھا ہے کہ ان کا رعب اتنا تھا کہ ایک گلی میں کسی مسلمان کو ان کی کوئی عورت پکڑ لیتی تھی، مسلمانوں کا مجمع ہے اوراس کو پکڑ کر اس کا سر پتھر سے ٹکراتی اور کہتی کہ خبر دار! یہاں رہو، میں چھری

لے کر آتی ہوں تمہیں قتل کرنے کے لئے۔ تو نہ کوئی اس کو بچانے والا ہوتا تھا، نہ وہ بھاگ سکتے تھے۔ اور وہ اسی طرح اس کے چھری لانے اور ذبح کرنے تک یہاں وہ سر اپنا پتھر کے اوپر رکھ کر کے سجدہ ریز رہتا تھا۔

یہ تو عام رعایا کا حال تھا۔ معتصم باللہ کو جو مارا ہے وہ اس طرح کہ ایک کہانی بنائی۔ کہانی یہ بنائی کہ انہوں نے کہا چلو، سب کو تو ہم نے قتل کر دیا۔ اور کیسے قتل کیا؟ تو میں نے شروع میں بتایا کہ ابن العلقمی جو شیعہ تھا، تو وہ تاتاریوں کو بلا کر لایا تھا اور پھر اس نے اِدھر مسلمانوں سے اور امیر المؤمنین خلیفہ معتصم باللہ سے اور خلیفہ سے تو یہ کہا کہ ان سے صلح کر لینا اچھا ہے، اور صلح کرنے کے لئے وفود جانے چاہیئے۔

سب سے پہلے اس نے منتخب کیا علماء اور مشائخ کو، جو کئی ہزار تھے، کہ ان کو ان کے پاس بھیجتے ہیں۔ تو ایک راستہ تھا جانے کا یہاں سے، ان کو پہلے بھیجو، یہ جا کر ان سے گفتگو کریں، اور ان کی بات سنائی جائے، پھر اہل حکومت کو، پھر فوجی افسران کو، اس طرح الگ الگ جماعتوں کو اس نے منتخب کیا۔ ان کے منتخب ہزاروں افراد کو ادھر اندر بھیجتے تھے، ادھر وہ قتل کر کے ان کو پھینک دیتے تھے۔ ادھر والوں کو کوئی پتہ نہیں کہ اُدھر کیا ہو رہا ہے۔ یہ ابن العلقمی شیعہ کی حرکت تھی۔

اسی سے اور ابن العلقمی جیسے شیعوں سے پھر اس نے مشورہ کیا کہ یہ ان سب کو تو ہم نے قتل کیا۔ اب جو رہ گیا ان کا امیر المؤمنین اور خلیفہ صاحب، اس کا کیا کریں؟

ایک مذاق بنایا اس کا۔ مذاق یہ بنایا، انہوں نے کہا کہ نہیں نہیں، بڑا گناہ ہے اور اتنا بڑا گناہ ہے امیر المؤمنین اور خلیفہ کو قتل کرنا کہ اگر اس کو ایک مُکّا بھی مارا گیا اور ایک قطرہ خون کا نکل آیا، تو زمین پر اس کا قطرہ گرتے ہی آسمان زمین پر ٹوٹ پڑے گا، عذاب الٰہی آجائے گا۔ تو اس لئے اس کے قتل کی تدبیر ایسی کرنی چاہیئے کہ جس سے خون نہ نکلے، یعنی اس کو تکلیف دے دے کر اس کو مارا، لاتوں سے، گھونسوں سے، بوری میں بند کر کے بری طرح مارا۔ تو یہ ہم تو معمولی قصوں پر لرز جاتے ہیں اور یہ زمین اور آسمان لرز اٹھیں، اتنے بڑے بڑے واقعات سے یہ دنیا گزری

ہے۔

اس قصہ کی وجہ سے، جو وہاں سے بلخ سے بھاگے تھے حضرت داؤد، جو حضرت شیخ عبدالحق ردولوی رحمۃ اللہ علیہ کے دادا اور ردولی میں متوطن ہو گئے تھے، تو ان کی نسل سے حضرت شیخ عبدالحق ردولوی رحمۃ اللہ علیہ، ان کے صاحبزادہ حضرت عارف ردولوی، ان کے صاحبزادہ محمد بن عارف۔ اللہ تعالیٰ ان فتنوں سے ہماری حفاظت فرمائے اور تاریخ کے ان عبرت ناک واقعات سے ہمیں سبق لینے کی توفیق دے۔

**اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ نَبِیِّنَا وَ شَفِیْعِنَا وَ حَبِیْبِنَا وَ سَنَدِنَا مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَ بَارِکْ وَ سَلِّمْ، سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَ سَلَامٌ علی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.**